سید مظفر حسین برنی اور کلیاتِ مکاتیبِ اقبال: تحقیقی مطالعہ

ڈاکٹر محمد عامر اقبال

Dr. Muhammad Amir Iqbal

Assistant Professor, Department Of Urdu,
University Of Sialkot, Sialkot.

Abstract:

Iqbal's thought is a marquee of many virtues. To improve it, one must have full love for Iqbal. Many aspects of Iqbal's life are hidden in his letters. Though many experts of Iqbal wanted to collect and edit these letters, but this hard nut was cracked by Mr. Burni who edited and saved them in four volumes with extreme hard work and enthusiasm. Experts consider this work the most important and useful achievement which also shows Mr. Burni's expertise on the topic as there were no. of issues of dates, marks on them obscure the writing, Persian poems etc. He used his scientific insights and technical skills to complete this research work. The study of this article reveals the essence of a researcher's abilities, positive and negative opinions about Mr. Burni.Certified references and researchers' opinions are included in this article.

فکرِ اقبال جامِ جہاں نما ہے۔اس میں شعر و فلسفہ کے پیکر فروزاں وفراواں ہیں۔قوم وملت کی فلاح و بہبود کے لیے ان سے قدم قدم پر راہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے۔فکرِ اقبال میں علم و آگہی کی دنیا آباد ہے۔موت و حیات کے بہت سے موضوعات بھی اس میں پوشیدہ ہیں اور وہ لوگ جو فہم و فراست کے نگہبان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اُن کے لیے بھی اس میں بہت سے اشارات ہیں۔فکرِ اقبال میں علمی اور فکری اجتہاد ہے،شعرِ اقبال میں دلِ فطرت شناس کی نشانیاں پوشیدہ ہیں،فلسفہ خودی کے پیغام میں حیات پوشیدہ ہے، بیداریٔ کائنات کا پیغام ہے،عصرِ حاضر کے خلاف اعلانِ جنگ ہے اور اس سے یہ پیغام بھی ملتا ہے کہ اقوام کی تقدیر افراد کے ہاتھوں میں پوشیدہ ہے جب کہ ہر فرد ملت کے مقدر کا ستارہ ہے۔صاحبانِ علم و دانش اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے فکرِ اقبال سے بیداری کا سبق لیتے ہیں اور اقبال فہمی میں بلند رتبہ پا لیتے ہیں۔سید مظفر حسین برنی بھی ایک ایسے اقبال شناس ہیں جو فکرِ اقبال کے مفہوم سے بہ خوبی آگاہ تھے۔سید مظفر حسین برنی کا تعلق ’’برن‘‘ (بلند شہر) کے ایک ذی وقار خانوادے سے تھا۔آپ نے جس گھرانے میں آنکھ کھولی اس میں خدمتِ علم و ادب کی ایک طویل اور مسلسل روایت رہی ہے۔آپ ۱۴ اگست ۱۹۲۳ء کو بلند شہر میں پیدا ہوئے۔آپ کا تعلیمی سلسلہ بہت عمدہ رہا۔بی۔اے میں انگریزی ادب میں آپ

نے گولڈ میڈل حاصل کیا پھر انگریزی ہی میں ایم۔اے بھی ۱۹۴۷ء میں انڈین ایڈمنسٹریٹو سروس ''آئی اے ایس'' کے مقابلہ کے پہلے امتحان میں کامیاب ہوئے اور ریاست اڑیسہ میں تعینات کیے گئے۔

مرکزی حکومت نے آپ کی صلاحیتوں سے بھر پور استفادہ کیا۔آپ جوائنٹ سیکریٹری کمیونٹی ڈویلپمنٹ رہے۔محکمہ زراعت میں جوائنٹ سیکرٹری رہے۔ایڈیشنل سیکرٹری وزارتِ پٹرولیم وکیمیکلز کا انتظامی عہدہ سنبھالے رکھا۔وزارتِ اطلاعات و نشریات کے اہم ترین ادارے میں سیکرٹری رہے۔بورڈ آف ریونیو میں چیف کمشنر رہے۔چیف سیکرٹری اور ڈویلپمنٹ کمشنر کے اعلیٰ ترین عہدوں پر ذمہ داریاں سرانجام دیں۔وزارتِ داخلہ میں سیکرٹری جیسے عہدے پر کام کر کے نیک نامی حاصل کی۔ناگا لنڈ و،منی پور،تری پورہ اور ہریانہ کے گورنر رہے۔مرکزی حکومت کے اقلیتی کمشنر کے چیئر مین بھی رہے اور پبلک سیکٹر کے تقریباً آٹھ اداروں میں ڈائریکٹر کی حیثیت سے ذمہ داریاں سرانجام دیں۔بہت سی بین الاقوامی کانفرنسوں میں شرکت کی اور تقریباً ۲۴ ممالک کی سیر وسیاحت بھی کی۔اتنی مصروفیات کے باوجود آپ کے دل میں فکرِ اقبال کو پروان چڑھانے کا جذبہ کبھی ماند نہ پڑا اور آپ نے اقبال شناسی کا نیا باب رقم کیا۔

ایسے ہنگامے میں جب کہ مذہبی،لسانی اور علاقائی تعصب بڑھتا جا رہا تھا۔اس وقت برنی صاحب نے بھوپال میں ایک خطبہ دے کر وقت کی ضرورت اور تقاضوں کے عین مطابق فکرِ اقبال کا شعور اجاگر کیا۔اس خطبہ میں اقبال کے کلام میں حب الوطنی،قومی یک جہتی اور مذہبی رواداری کے پہلوؤں پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔آپ نے اقبال کے خطوط کا ذخیرہ محفوظ کیا۔چار جلدوں میں خطوط کی تاریخی تدوین جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔پہلی جلد کا مقدمہ اردو زبان وادب کی مستند دستاویز کا مقام رکھتی ہے۔اقبال کے مکتوبات لیلیٰ مجنوں کے خطوط نہیں؛ان میں فکر ہے،فلسفہ ہے،ادب ہے،ثقافت ہے،سیاست ہے، مذہب ہے،حب الوطنی ہے۔اس لیے اقبال کے خطوط کی تدوین کرنے والا ماہر اقبال شناس ہی ہونا چاہیے تھا۔اس کام کے لیے اقبال اور فکرِ اقبال سے شغف ہی کافی نہیں بلکہ اقبال سے محبت اور فکرِ اقبال کی توصیف کا جذبہ مددومعاون ثابت ہوتا ہے۔برنی صاحب کو اس بات کا ادراک بہ خوبی تھا کہ اقبال ایک بڑے شاعر ہی نہیں بلکہ اپنے عہد کے ایک بڑے دانشور اور مفکر بھی تھے۔ان کے خطوط بھی شاعری ہی کی طرح فکرودانش کا مرقع ہیں۔مزید یہ کہ خطوط میں آپ کی عظیم شخصیت کے بہت سے ایسے پہلو بھی نمایاں ہوئے ہیں جن کا اظہار اس اکملیت کے ساتھ شاعری میں طے نہیں ہوسکا۔مظفرحسن برنی نے اقبال کے خطوط کو بڑی محنت اور جاں فشانی سے جمع کیا ہے اور پھر ایک خاص ترتیب سے یکجا کر دیا ہے۔

اقبال پچھلی صدی کے سب سے بڑے شاعر تھے۔انھوں نے فکر کو جذبے کی آنچ دے کر جس ہنرمندی کے ساتھ شاعری کے قالب میں ڈھالا ہے،وہ اپنے آپ میں فنی معجزے سے کم نہیں۔آپ کا فکر اپنے عہد کے تمام ذہنی اور جذباتی مسائل کا احاطہ کرتا ہے جو اس عہد کے انسانوں کو،بالخصوص بلادِ مشرق کے رہنے والوں کو درپیش تھے۔ان کے اس فکر کا اظہار ان کی شاعری کے علاوہ ان کی نثری تحریروں میں بھی ہوا ہے۔

ہم اقبال کی نثر میں خطوط کا مطالعہ کریں اور انھیں کوئی خاص ترتیب دے کر لوگوں کے سامنے پیش کرنا چاہیں تو ہمیں اس بات کا خاص خیال رکھنا ہوگا کہ اقبال کے فکر کو کوئی آنچ نہ آئے۔فکرِ اقبال کو اس کے اصل رنگ میں لوگوں تک پہنچانا ہر محقق کا اخلاقی فرض ہے۔اس لیے محقق کو فکرِ اقبال کی تدوین میں اپنے خیالات کا رنگ شامل نہیں ہونا چاہیے اور تاریخ کے حوالہ سے

ان اصولوں کو ضرور مدِّنظر رکھنا چاہیے کہ جن سے اقبال کے درست فکر کا ادراک ہوتا ہو۔

گو آج اقبال موجود نہیں ہیں لیکن ان کے خیالات اور نظریات کہ جن کا احاطہ اقبال کی کتب اور خطوط نے کیا ہے، ہر انسان کو روشنی فراہم کر سکتے ہیں۔ضرورت اس امر کی ہے کہ اقبال کے افکار کا رنگ بدل کر عوام الناس کے سامنے پیش نہ کیا جائے۔اس لیے ہر محقق کے لے یہ لازم ہے کہ ایمان داری سے اقبال کے افکار کو لوگوں تک پہنچائے۔اگر ذکر خطوط کا آئے تو یہ ذمہ داری اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔کیوں کہ آج کچھ تو اصل خطوط موجود ہی نہیں ہیں اور اگر کچھ ہیں تو وہ اتنے مسخ شدہ ہیں کہ ذرا سی بے احتیاطی سے تاریخ، جگہ اور حالات میں تبدیلی آ سکتی ہے اور بات محرم سے مجرم اور دعا سے دغا تک پہنچ سکتی ہے۔اس لیے یہ خیال رکھا جائے کہ اقبال کے زیادہ سے زیادہ مآخذات کا پتا لگایا جائے۔محقق کو مختلف علوم سے واقفیت بھی حاصل ہو اور وہ گہری نظر بھی رکھتا ہو جس کے ذریعہ سے وہ حق وصداقت کی راہ پا سکے۔اور غلطیوں اور لغزشوں سے دامن بھی بچا سکے۔دستیاب مآخذ یہاں جن کا احاطہ محض خطوط تک ہے اس میں محض نقل پر نظر رکھی جائے اور اصولِ عادت، قواعدِ سیاست، تمدن اور اجتماعِ انسانی کے حالات کو پیشِ نظر نہ رکھا جائے تو سچائی کے راستے سے ہٹ جانے کا خطرہ ہوگا۔چناں چہ اکثر و بیشتر محققین راستہ بھٹک گئے ہیں اور اقبال کے خطوط لمعہ کے نام کی سی مضحکہ خیز کتاب سامنے آتی ہے۔دراصل لوگوں نے محض نقل پر بھروسہ کیا، خواہ وہ قابلِ رد ہو یا قابلِ قبول۔ان کو نہ اصول پر جانچا، نہ پرکھا۔محقق کے لیے تحقیق کے قواعد وضوابط کا خیال رکھتے ہوئے لوگوں کے سامنے درست بات پیش کرنی چاہیے۔

انسان طبعاً عجب بات کہنے کا دلدادہ ہے اور اعتراض یا تنقید سے غفلت برتتے ہوئے اس کو جلد زبان پر لے آنے کا عادی ہے۔وہ نفس کی بھول چوک یا اس کے ارادے پر اس کی جانچ پڑتال نہیں کرتا اور نقل میں واسطے یا چھان بین سے سروکار نہیں رکھتا اور پھر نہ ہی دستیاب مآخذ کو بحث و تمحیص کی کسوٹی پر جانچتا ہے۔نتیجتاً زبان کی لگام کو ڈھیل دے دیتا ہے اور اسے جھوٹ کی مد میں خوب آزادی بخشتا ہے۔خطوط کے مطالعہ سے کاتب کے حالاتِ زندگی اور فکر وفن پر بھی نگاہ ڈالی جا سکتی ہے۔اقبال کے حوالہ سے خطوط کی تدوین میں مدون کی ذمہ داری حد سے بڑھ جاتی ہے کیوں کہ اقبال کا پیغام آفاقیت کی حدوں کو چھوتا ہے۔برنی صاحب نے زمانی ترتیب کے عین مطابق اقبال کے تمام دستیاب خطوط کی تدوین کا فریضہ انجام دیا ہے۔یہ پہلی اور انفرادی کاوش ہے کہ اقبال کے اتنے خطوط کو یکجا کیا گیا ہے۔اس حوالہ سے برنی صاحب نے لکھا ہے:

> ''مطالعہ اقبالیات کے دوران اکثر شدت سے اس بات کا احساس ہوا ہے کہ علامہ اقبال کی زندگی اور فکر وفن کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے نیز ان کی شاعری کا فکری پس منظر جاننے کے لیے خطوطِ اقبال کا مطالعہ ازبس مفید ہے اور یہ مطالعہ اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک ان سب خطوط کو یک جا کر کے تاریخی ترتیب اور ضروری حواشی کے ساتھ پیش نہ کیا جائے۔خطوط کے مختلف مجموعے اس سے پہلے بھی تاریخی ترتیب کے ساتھ پیش ہوئے ہیں، مگر کلیاتِ مکاتیب کو زمانی تسلسل سے پیش کرنے کی یہ کوشش اردو میں یقیناً پہلا قدم ہے۔''(۱)

اس سے پہلے اقبال کے خطوط کی تدوین تو ہوئی اور مکتوباتِ اقبال کے کئی مجموعے مختلف ناموں سے سامنے بھی آئے مگر برنی صاحب کی کوشش قابلِ ستائش ہے کہ اتنی زیادہ پیشہ ورانہ ذمہ داریوں کے باوجود کلیاتِ مکاتیبِ اقبال کی چار جلدوں کا

شاہکار عوام کے سامنے پیش کیا اور اقبال سے محبت کا ثبوت دیا کیوں کہ فکرِ اقبال کی توسیع تبلیغ اور تحقیق کا کوئی بھی کام علامہ اقبال سے گہری وابستگی اور محبت کے بغیر پایہ تکمیل تک پہنچانا ممکن ہی نہیں ہے۔ اقبالیات سے گہری وابستگی، فکرِ اقبال کا شعور اور سب سے بڑھ کر حضرتِ علامہ اقبال سے آپ کی بے لوث محبت کا عکس اس کوشش میں شامل ہے اور اسی اُنس نے برنی صاحب کو صفِ اول کا اقبال شناس بنا دیا۔ آپ کی اس کوشش کو سراہتے ہوئے پروفیسر عبدالحق نے کہا:

''اقبال کے خطوط کی ترتیب وجمع واشاعت کا یہ سب سے اہم اور مفید کارنامہ ہے۔'' (۲)

کلیاتِ مکاتیبِ اقبال کی اشاعت سے اقبال کے تمام خطوط تک رسائی آسان ہوگئی، ناقدین اور محققین کے ساتھ ساتھ عام قارئین بھی اقبال کے فکر وفلسفہ اور زندگی کے پوشیدہ گوشوں پر تحقیق وتنقید کے لیے یہ ماخذ پوری طرح دیکھ اور سمجھ سکتے ہیں۔ خطوط کی تدوین میں برنی صاحب کی صحت اور صداقت کا پہلو خاص طور پر مدِ نظر رکھا، ترجمہ شدہ صرف وہ خطوط شامل کیے جن کی صداقت عیاں تھی، جھول والے تراجم کا دوبارہ ترجمہ کر کے پھر سے شامل کیا گیا۔ زمانی ترتیب کی تدوین کا فکرِ اقبال پر بہت مثبت اثر محسوس کیا گیا۔ مظفر حسین برنی لکھتے ہیں:

> '' تاریخی ترتیب میں سب سے بڑی دشواری یہ ہے کہ جب تک تمام مواد قبضے میں نہ آ جائے، یہ ترتیب مکمل نہیں ہوسکتی لیکن جب ان سب خطوط کو تاریخ وار مدوّن کر لیا گیا تو یہ اندازہ ہوا کہ ان میں ایک غیر محسوس ربط وتسلسل پیدا ہوگیا ہے اور ان کے مطالعہ سے فکرِ اقبال نہ صرف روشن تر ہوکر ہمارے سامنے آئی ہے بلکہ اُن کی شخصیت کے نشو وارتقاء کو بھی سمجھا جاسکتا ہے۔'' (۳)

محقق کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ سیاسی قواعد سے واقفیت رکھتا ہو۔ قومیں زبان، عادات واخلاق، سیرت وخصلت، مذہب وملت اور دیگر حالات میں جن انقلابی ادوار سے گزرتی رہتی ہیں ان سے بھی وہ شناسا ہو، نیز قابلیت رکھتا ہو کہ حاضر وموجود کو غائب اور غیر موجود سے ملا کر دیکھے کہ ان میں اتفاق ہے یا اختلاف۔ اتفاق کی بھی علت تلاش کرے اور اختلاف کی بھی وجہ تلاش کرے اور قوموں کے اصول، ان کی ابتدا اور ان کے حوادث کے اسباب ودواعی کی معلومات بھی بہم پہنچائے اور جو اشخاص ان امور میں ذمہ دارانہ شخصیت رکھتے ہوں ان کے حالات سے بھی شناسائی رکھتا ہو تا کہ وہ ان معلومات کے تحت اصل کا سراغ لگا سکے اور جو بات نقل ہو کر اس تک پہنچی ہے اگر اس کے قواعد واصول پر پوری اترتی ہے تو اس کو صحیح جانے ورنہ اسے کھوٹی اور جھوٹی جان کر نظر انداز کر دے۔

اہلِ عالم اور قوموں کے حالات وعادات اور مذہب ایک نہج پر نہیں چلتے بلکہ ایام وزمانہ کے اختلاف کے ساتھ ساتھ وہ بھی ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف بدلتے رہتے ہیں۔ جس طرح لوگ اور آبادیاں ایک حالت پر برقرار نہیں رہتیں۔ اسی طرح سطح زمین، زمانہ اور قومیں کبھی ثبات پر قرار نہیں رکھتیں۔ اس طرح تبدیلی کے مرحلہ سے گزر کر نئی راہوں پر رواں دواں رہتی ہیں۔ اگر محقق یہ سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہو تو غلطی کے سرزد ہونے سے بچائے گا۔ جس چیز کو لوگوں نے نہ دیکھا ہو اسے جھٹلانے میں بھی دیر نہیں کرتے۔ جس طرح عجوبہ پسندی کی وجہ سے اکثر ناممکن باتوں کو لوگ مان لیا کرتے ہیں۔ اس لیے محقق کے لیے لازم ہے کہ وہ درج بالا سطور میں بیان کیے گئے قواعد وضوابط کا خیال رکھے۔

برنی صاحب نے بھی خوب محنت سے اقبال کے خطوط مرتب کیے ہیں۔ اگر درج بالا سطور کو مدِ نظر رکھا جائے تو یہ

بات عیاں ہوتی ہے کہ اقبال کے تمام خطوط میں معلومات کا ایک خزانہ موجود ہے۔ جوں جوں تحقیق کی راہیں کھل رہی ہیں ویسے ویسے اقبال کے خطوط بھی نئے انداز سے ہمارے سامنے آ رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ برنی صاحب کی کاوشوں میں جو جھول رہ گیا تھا وہ بھی محققین اپنی کاوشوں سے دور کر رہے ہیں۔

برنی صاحب نے تحقیق کے درج بالا اصولوں کو مدِنظر رکھ کر اقبال کے خطوط کی تدوین میں خاصی محنت کی ہے۔ آپ کی اس کاوش کے چند نمایاں پہلو اس مضمون کے مطالعہ سے سامنے آئیں گے۔ آپ نے خطوط کی تدوین میں جہاں دیگر ماہرین کی خدمات کا اعتراف کیا ہے وہاں خطوط میں تدوین کے لیے اپنی کاوشوں کا ذکر بھی کیا ہے اور اسے اپنے حوالہ سے ''مؤلف'' کا نام دے کر حاشیے کی زینت بھی بنایا ہے مثلاً سدم محمد تقی شاہ کے نام اقبال کے خط کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے واضح کیا ہے:

''اس خط کا عکس ۲۲ اپریل ۱۹۴۹ء کے ''امروز'' میں شائع ہوا تھا۔''(۴)

کسی خط کی تدوین میں اتنی عرق ریزی اس بات کا اشارہ کرتی ہے کہ مدون نے تحقیق کے اصولوں کو مدِنظر رکھتے ہوئے اپنا کام انجام دیا ہے۔ منشی دیا نرائن نگم کے نام اقبال کا ایک خط ۱۰ اگست ۱۹۰۴ء کا بھی موجود ہے۔ اس خط میں اقبال نے چند اشعار بھجوائے تھے۔ خط کے صفحہ پر لکھا ہے ''دوسرا صفحہ ملاحظہ ہو'' برنی صاحب نے اس خط کا عکس بھی شائع کیا ہے۔ یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ اس دوسرے صفحہ کا ذکر تو موجود ہے مگر وہ دوسرا صفحہ منظرِ عام پر نہیں آیا۔ برنی صاحب کو یہ بات واضح کرنی چاہیے تھی کہ وہ دوسرا صفحہ کہاں گیا ہے؟ اس صفحہ کے نہ ہونے سے خط کی صداقت کچھ مشکوک سی ہو جاتی ہے۔ مہاراجہ کشن پرشاد کے نام ۵ ستمبر ۱۹۱۴ء کا ایک خط برنی صاحب نے پیش کیا ہے جس کا عکس بھی موجود ہے۔ اس عکس پر سیاہی بکھری ہوئی ہے جس سے کچھ الفاظ کے پڑھنے میں دشواری ہوتی ہے۔ برنی صاحب نے اس خط کی تدوین کی توضیح میں باقاعدہ ایک نوٹ دیا جس پر لکھا ہے:

''عکسی خط پر روشنائی گری ہونے کی وجہ سے کئی الفاظ صاف نہیں پڑھے گئے۔''(۵)

اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہاں پر کسی غلطی کی گنجائش تھی مگر برنی صاحب نے اس غلطی کی ذمہ داری نہ لی اور پہلے ہی اس خط کے عکس میں پائی جانے والی سیاہی کا ذکر کیا ہے جس سے اگر کوئی غلطی ہو تو آپ بری الذمہ ہو گئے۔ اقبال نے ۱۱، مارچ ۱۵ء کو مہاراجہ کشن پرشاد کے نام ایک خط لکھا تھا۔ اس خط میں ''مسٹر گلینسی'' کا ذکر تھا۔ آپ نے ان کا تفصیلی تعارف اپنے حواشی میں یوں لکھا ہے:

''مسٹر گلینسی انڈین سول سروس کا ایک قابل انگریز افسر تھے۔ یہ وہی مسٹر گلینسی ہیں جنہیں تحریک کشمیر کے دنوں میں کشمیریوں کے حقوق و مطالبات معلوم کرنے کے لیے ایک تحقیقاتی کمیشن کا نگران مقرر کیا گیا تھا۔ انھوں نے اپنی رپورٹ میں کئی سفارشات پیش کیں جنھیں عملی جامہ پہنایا گیا۔''(۶)

یہاں برنی صاحب نے حوالہ تو دیا ہے مگر کوئی ایسا اشارہ نہیں دیا جس سے ثابت ہوتا ہو کہ یہ برنی صاحب کی تحقیق ہے یا پھر کہیں سے حوالہ لیا ہے؟ برنی صاحب نے بطور مدون بہت عمدہ کام کیا ہے مگر ڈاکٹر محمد حسن کے نام اقبال کا لاہور سے ۷ فروری ۱۹۱۹ء کا ایک خط ہے۔ اس میں تاریخ کا حوالہ خط کے آغاز میں دیا گیا ہے۔ جبکہ اس خط کا عکس بھی اس خط کے ساتھ ہی دیا گیا ہے۔ اگر ہم عکس پر نظر ڈالیں تو خط لکھنے کی تاریخ کا ذکر اقبال نے خط کے آخر میں کیا ہے۔ اس طرح آپ کی کاوش میں کہیں کہیں کمی بھی رہ گئی ہے۔

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام لاہور سے اقبال نے ایک خط ارسال کیا جو ۲۱ فروری ۱۹۱۹ء کو لکھا گیا۔ اس خط کا عکس بھی برنی صاحب نے شائع کیا ہے۔ اس خط کے آخر میں اقبال نے لکھا تھا:

''تار کا جواب عرض کر چکا ہوں۔''(۷)

اس کے بعد اقبال نے اپنا نام ''محمد اقبال'' بھی لکھا تھا جو کہ عکس سے صاف واضح بھی ہے مگر برنی صاحب نے اس کے ساتھ اقبال کا نام درج نہیں کیا۔ ایک مدون کی یہ اہم ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ عکس کے ہر لفظ پر غور کرے اور اگر اسے شائع کروانا مقصود ہو تو اس پر توجہ بھی دی جائے کہ کہیں کوئی لفظ رہ تو نہیں گیا۔ اقبال کے خطوط کا معاملہ بہت حساس ہے۔ ان خطوط میں ایک بھی لفظ کی کمی سے اقبال کی شخصیت متاثر ہوتی ہے اور خط کے اصل ہونے یا نہ ہونے کے لیے بحث، تحقیق اور تنقید کے طویل مرحلہ سے گزارنا لازم ہو جاتا ہے۔ اقبال کی شخصیت کے حوالہ سے ایسی غلطی کسی مدون کے لیے تدوین میں خامی کا اظہار بھی کرتی ہے۔

صوفی غلام مصطفےٰ تبسم کے نام اقبال نے لاہور سے ۲ ستمبر ۱۹۲۵ء کو ایک خط لکھا۔ یہ خط برنی نے ''اقبال نامہ'' سے نقل کیا ہے اور اس کا عکس بھی موجود ہے۔ خط کے آخر میں عکس کے نامکمل ہونے کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ عکس کے نامکمل ہونے کی وجہ سے آپ نے کہیں کہیں ترمیم بھی کی ہے مگر اس کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے لکھا ہے:

''مولف نے نوٹ میں کہیں کہیں ترمیم کر دی ہے۔''(۸)

ایک اچھے مدون کا یہ فرض ہے کہ اگر اس قسم کی کوئی تبدیلی ہو تو اس کا ذکر ضرور کر دے تا کہ اگر کبھی اس تبدیلی میں کوئی تحقیقی اور قانونی فرق سامنے لایا جائے تو یہ بات واضح ہو سکے کہ خط لکھنے والے کے یہ الفاظ نہیں ہیں بلکہ مولف یا مدون نے اپنی ذمہ داری پر اس قسم کی ترمیم کی ہے۔ یہ ترمیم کتنی اور کیسی ہوگی یہ تو تحقیق کے بعد ہی واضح ہو سکتا ہے مگر مدون اپنا حوالہ دے کر یہ واضح کر دے تو زیادہ بہتر ہے۔ اس طرح آپ کی بطور مدون اس کاوش کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

آپ نے کچھ غیر مدون خطوط بھی اپنی کتاب کلاتِ مکاتیبِ اقبال کی چاروں جلدوں کی زینت بنائے ہیں مگر ان کے غیر مدون ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے ماخذ کا حوالہ بھی دیا ہے۔ اقبال نے ۳۱ اکتوبر ۱۹۲۷ء کو محمد علی جناح کے نام ایک خط لکھا تھا اس کے غیر مدون ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے ماخذ کا ذکر کرتے ہوئے برنی صاحب نے لکھا ہے:

''یہ خط ڈاکٹر ذاکر حسن لائبریری، جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی میں المحفوظ محمد علی کا غذات سے دستاب ہوا ہے۔''(۹)

آپ نے اقبال کے خطوط کی تدوین میں خط لکھنے کی وجہ کا بھی کہیں کہیں ذکر کیا ہے کہ اقبال نے یہ خط کس لیے لکھا تھا۔ اس خط میں ت کسی واقعہ، کتاب یا قرآنی حوالہ اور حدیث کے متعلق کوئی بات کرنا مقصود تھا۔ آپ نے اقبال کے ایک خط کا ذکر کا خ ہے جو اقبال نے ثاقب کانپوری کے نام لکھا تھا۔ اس خط میں ثاقب کانپوری کے کسی مجموعہ کلام کا ذکر ہے جو ۱۹۳۰ء میں شائع ہوا تھا اور اقبال کے پاس رائے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ آپ نے ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کی تصنیف کا حوالہ دے کر کتاب کا نام بھی لکھا ہے۔ برنی لکھتے ہیں:

''بقول رفیع الدین ہاشمی صاحب، تصانیفِ اقبال کا تحقیقی وتوضیحی مطالعہ صفحہ ۲۴۹، اس مجموعہ کلام کا نام متاعِ درد تھا۔''(۱۰)

نام درست نہیں لکھا گیا۔ آپ نے ''تصانیفِ اقبال کا تنقیدی و توضیحی مطالعہ'' لکھا ہے جو درست نہیں اصل نام وہ ہے جو اوپر حوالہ میں درست طور پر درج کیا گیا ہے۔ مظفر حسین برنی نے جس کتاب کا حوالہ دیا ہے، یہ خط انوارِ اقبال سے لیا ہے اس خط کی کوئی مستند تاریخ درج نہیں ہے۔ برنی صاحب کو بطور مدون یہاں اپنی کاوش کو نکھارنے میں مزید کوشش کرنی چاہیے تھی۔ اس سے قبل سطور میں ذکر کیا گیا ہے کہ اگر برنی صاحب نے کوئی تبدیلی یا اضافہ کیا تو اس کا ذکر بھی حاشیہ میں کیا ہے۔ اس بات کو ذہن میں رکھیں تو یہ بات بھی مدون کی صداقت کی دلیل ہے کہ اگر کسی اور نے کسی قسم کا کوئی اضافہ کیا ہے تو اس کا حوالہ بھی حاشیہ میں دیا ہے۔

آپ نے خطوط کے متن حاصل کرنے میں بھی کمال محنت کی تا کہ ہر ممکن حد تک متن کی صحت کا خاال رکھا جا سکے۔

آپ نے کچھ انگریزی خطوط کا ترجمہ خود کیا ہے اور کچھ انگریزی خطوط کا ترجمہ درست سمجھ کر اپنی کاوشات میں شامل کیا ہے۔ دو خطوط فارسی زبان میں بھی تھے جو ایران کے ادیب اور نقاد سعید نفیسی کے نام ۲۶ اگست ۱۹۳۲ء اور ۴ نومبر ۱۹۳۲ء کو لکھے گئے۔ ان خطوط کے اردو تراجموں کے ساتھ اصل فارسی متون بھی برنی صاحب نے شامل کیے ہیں۔۔ تقاریظ اور مکاتیب میں حدِ فاصل قائم کرنا بڑا نازک اور دشوار کام ہے۔ آپ نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ اگر اقبال نے کسی کتاب پر اپنی رائے کا اظہار براہِ راست کیا ہے یا اس کے مصنف یا مؤلف کو مخاطب کیا ہے تو یہ خط ہے اور اگر اظہارِ رائے بلاواسطہ ہوا ہے تو تقریظ ہے۔ مثلاً یہ تحریر ''آپ کی کتاب مفید ہے'' خط کی ذیل میں آتی ہے جبکہ یہ رائے کہ ''یہ کتاب مفید ہے'' تقریظ کہلائے گی۔ اس طرح آپ نے بطور مدون ہر اس بات کا خیال رکھا ہے کہ جس سے خطوط کے ان مجموعہ جات میں خوبصورتی اور صداقت پیدا ہو سکے۔

اقبال کی فارسی شاعری بھی فکرِ اقبال سے لبریز ہے اور خطوط میں اقبال نے کئی جگہ اپنے فارسی اشعار کا ذکر بھی کیا ہے۔ برنی صاحب نے بطور مدون اس بات کا بھی انتظام کیا ہے کہ ان فارسی اشعار کا ترجمہ بھی عوام تک پہنچ جائے۔ اس لیے آپ نے ان فارسی اشعار کا اردو زبان میں ترجمہ کرتے ہوئے حاشیہ میں ''مؤلف'' کے حوالہ سے خود اردو ترجمہ بھی پیش کیا ہے۔ خواجہ حسن نظامی کے نام ۱۹۱۲ء کے ایک خط میں اقبال نے جو فارسی شعر لکھا تھا اس کا ترجمہ برنی صاحب نے کچھ اس طرح کیا ہے:

> ''کلامِ بیدل اگر تمہیں ملے تو انصاف کے راستے سے نہ ہٹنا۔ کونکہ کوئی تم سے آفریں (واہ وا) کے سوا اور کچھ صلہ طلب نہیں کرتا۔'' (۱۱)

مزید یہ کہ اگر فارسی شاعری میں بھی کسی لفظ کا تلفظ غلط محسوس کیا ہے تو اس کی اصلاح بھی کی ہے مثلاً مولانا گرامی کے نام ۲۸ جون ۱۹۱۷ء کے ایک خط میں اقبال نے چند فارسی اشعار لکھے۔ ان اشعار کے ایک شعر میں لفظ ''حج'' کے حوالہ سے برنی صاحب نے لکھا کہ اس میں لفظ ''حج'' بلا تشدید نظم ہوا ہے۔ اصل شعر اور اس کا ترجمہ بھی برنی صاحب نے شائع کیا ہے۔ سابقہ سطور میں یہ درج شدہ گفتگو اس بات کی دلیل ہے کہ آپ نے کلیاتِ مکاتیب اقبال کی تدوین میں بہت محنت کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال کے خطوط پڑھ کر فکرِ اقبال کا صحیح مفہوم بھی ہمارے سامنے آ سکتا ہے اور تمام خطوط کا خزانہ ہمیں ایک ہی جگہ پر میسر آ جاتا ہے۔ بہت سے اقبال شناس یہ دلی تمنا رکھتے تھے کہ مکتوباتِ اقبال کو کسی طرح یک جا کیا جا سکے۔ برنی صاحب قابلِ تحسین ہیں کہ اس خواہش کو پورا کیا۔ رفیع الدین ہاشمی صاحب اس حوالہ سے کہتے ہیں:

> ''مکرر عرض کیا تھا کہ خطوطِ اقبال کا یہ عظیم الشان ذخیرہ کلیاتِ مکاتیبِ اقبال کی شکل میں زیادہ توجہ اور دقتِ نظر کے ساتھ مرتب و مدون کیے جانے کا محتاج ہے اور اس ضمن میں چند

تجاویز بھی پیش کی تھیں۔ کئی برس بعد سید مظفر حسین برنی نے اس کام کا بیڑا اٹھایا، اور اب ان کی مرتبہ ''کلیاتِ مکاتیبِ اقبال'' چار جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔''(۱۲)

اس طرح یہ کام تو مکمل ہوا کہ اقبال کے خطوط کا خزانہ یک جا مل جاتا ہے۔ برنی صاحب نے جہاں تدوین کے حوالہ سے خیال رکھا ہے وہاں ایک عمدہ مرتب کا کردار بھی ادا کیا ہے اور خطوط کو مرتب کرنے میں ان تمام لوازمات کا خیال رکھا ہے جو خطوط کے مقام کا درجہ بھی بلند کریں اور صداقت میں بھی کوئی کمی نہ رہے۔ آپ نے خاص طور پر تمام خطوط کو بحوالہ زمانی تاریخی ترتیب مرتب کیا ہے۔ یہ کام اس لحاظ سے بہت مشکل تھا کہ کئی خطوط کی تاریخ اشاعت سامنے نہ آئی تھی مگر آپ نے مختلف ماخذ کا سہارا لے کر اس ترتیب کو مستند بنایا ہے۔ بعض جگہوں پر تو حالات اور واقعات کی صداقت کے لیے باقاعدہ نوٹ بھی دیے ہیں اور خط کی تاریخ لکھی ہے کہ ان حالات اور واقعات سے اس خط کی تاریخ یہاں بنتی ہے۔ آپ کی مرتبہ کلیاتِ مکاتیبِ اقبال کی چار جلدوں سے چند حوالہ جات پیش کیے جا رہے ہیں جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپ نے بطور مرتب ایک ذمہ دار ماہرِ اقبالیات کا کردار ادا کیا ہے۔ اگر آپ اپنے ماخذ کا ذکر نہ کرتے اور اس بات کا انعام خود ہی حاصل کر لیتے کہ یہ ان کی ذاتی کوشش کا نتیجہ ہے تو یقیناً ماہرینِ ادب انہیں ناقل کا نام دیتے اور ناقل بھی ایسا کہ جس پر ادبی چوری کا الزام بھی لگایا جا سکتا تھا۔ مگر آپ نے ان تمام ماخذ اور حوالہ جات پر واضح روشنی ڈالی ہے کہ جن سے اپنی کاوشات کو مزین کیا ہے۔ اس طرح اقبال کے حوالہ سے کیے گئے کام اور ماہرین اقبالیات کی ایک طویل فہرست لوگوں تک پہنچتی ہے جو فکرِ اقبال کی تبلیغ میں کوشاں ہیں۔ شاکر صدیق کے نام اقبال کا ایک خط جس پر ۷ ستمبر ۱۹۱۲ء کی تاریخ درج ہے۔ اس کے بارے میں مظفر برنی لکھتے ہیں کہ:

''اس خط کی تاریخ 7 ستمبر ۱۹۱۲ء لفافے پر ڈاکخانے کی مہر سے ماخوذ ہے۔''(۱۳)

اقبال نے ۵ ستمبر ۱۹۱۴ء کو ایک خط مہاراجہ کشن پرشاد کے نام لکھا تھا۔ اس کی عربی تاریخ کے حوالے سے برنی نے لکھا کہ:

''یہ خط ۱۵ شوال ۱۳۳۲ھ کا لکھا ہوا ہے۔ اقبال ۱۶ شوال کو پٹیالہ پہنچے ہوں گے۔ ۱۷ شوال کو دہلی میں حضرت امیر خسرو کے عرس میں شرکت کی ہوگی (برنی)۔''(۱۴)

سید سلمان ندوی کے نام ۵ جولائی ۱۹۲۳ء کو لکھے ہوئے ایک خط کی تاریخ کے حوالہ سے برنی رقم طراز ہیں:

''عکس کے مطابق اس خط کا صحیح سنہ تحریر ۱۹۲۳ء ہے۔ مزید برآں ''پیامِ مشرق'' بھی مئی ۱۹۲۳ء میں طبع ہوئی۔ زیرِ ترتیب ''اقبال نامہ'' میں اس کا سنہ تحریر ۱۹۲۲ء غلطی سے درج کیا گیا ہے۔''(۱۵)

اس خط کا عکس بھی برنی صاحب نے دیا ہے۔ اس عکس میں ۲۳ء اس طرح سمجھ آتا ہے کہ تیئیس کے دو اور تین میں نمایاں فرق ہے دو کچھ چھوٹا اور تین کچھ بڑا ہے جس سے قیاس کیا گیا ہے کہ ہے کہ یہ ۲۲ نہیں بلکہ ۲۳ء ہے۔ ''اقبال نامہ'' کے نئے شائع شدہ یک جلدی ایڈیشن میں اس تاریخی سنہ کو بدل دیا کر ۱۹۲۳ء کیا گیا ہے۔(۱۶)

اقبال کا ایک خط ۲۱ ستمبر ۲۳ء کا بھی ہے جو لاہور سے مہاراجہ کشن پرشاد کو لکھا گا تھا۔ اس خط کا عکس بھی واضح ہے جس پر یہ تاریخ لکھی ہے اور پڑھی بھی جا سکتی ہے مگر دیگر مرتبین نے اسے غلط لکھا ہے اس حوالہ سے برنی صاحب نے حاشیہ میں لکھا ہے:

''شادِ اقبال میں اس خط کی تاریخ ۲۹ ستمبر درج ہے جبکہ عکس میں ۲۱ ستمبر واضح طور پر پڑھا جا سکتا ہے۔''(۱۷)

اقبال نے لاہور سے ۲۸۔اکتوبر۱۹۲۳ء کومولانا گرامی کے نام ایک خط لکھا اس کی تاریخ کے حوالہ سے برنی صاحب نے حاشیہ میں لکھا ہے:

''۱۲۸کتوبر۱۹۲۳ء بمطابق عکس۔ مکاتب اقبال بنام گرامی، میں اس کی تاریخ ۱۱۸کتوبر درج ہے۔ جو درست نہیں ہے۔'' (۱۸)

اس خط کا عکس بھی برنی صاحب نے شائع کیا ہے۔ جہاں تک ۱۲۸کتوبر اور ۱۱۸کتوبر کا مسئلہ ہے تو عکس میں ۱۲۸کتوبر ضرور موجود ہے مگر ۱۲۸کتوبر میں ''۲'' کا ہندسہ غیر واضح ہے۔ وہ اس طرح کہ وہاں سیاہی کی زیادتی کے باعث یہ ابہام آ گیا ہے۔ اقبال ''۲'' لکھنا چاہتے تھے جو کہ پہلے ایک لکھا اور پھر دو کیا یا ایک لکھنا چاہتے تھے غلطی سے آغاز ''۲'' سے ہو گیا اور پھر ''۱'' پر زیادہ قلم پھیرا گیا۔ تاہم برنی صاحب نے اپنی تحقیق کے مطابق اسے ۱۲۸کتوبر کو ۲۳ء تصور کیا ہے۔

اقبال نے ایک مختصر فارسی مثنوی ''گلشن راز جدید'' کے عنوان سے علامہ محمود شبستری کی ''گلشن راز'' کے انداز پر لکھی ہے جو ''زبورِ عجم'' کے دوسرے حصے میں اشامل ہے۔ اقبال نے مولانا گرامی کے نام ۱۳جنوری ۲۷ء کو ایک خط لکھا تھا جس میں ''محمود شبستری'' اور ''گلشنِ راز'' کا ذکر بھی کیا تھا۔ برنی صاحب نے یہ ضروری سمجھا کہ اقبال سے شغف رکھنے والے افراد کو پہلے یہ ضرور بتا دیا جائے کہ ''محمود شبستری'' کون تھا تا کہ پڑھنے والے اس کے حوالہ سے بھی معلومات حاصل کر سکیں۔ گویا اس ایک خط کے ساتھ، اقبال کی شاعری، تصوف، ایک صوفی اور مزید کئی حوالہ جات پر روشنی پڑتی ہے۔ برنی صاحب نے لکھا تھا:

''محمود شبستری کا سوانحی خاکہ حواشی میں ملاحظہ ہو'' (۱۹)

برنی صاحب نے بطور مرتب عمیق نظری کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس سے اقبال کے اسلوب کا بھی پتہ چلتا ہے۔ اسلوب خود انسان ہے۔ یعنی اس میں انسان کی چھپی ہوئی شخصیت اور اس کے ذہن کو پڑھا جا سکتا ہے۔ ایسی ہی کیفیت کا اظہار انسان اپنے خط میں بھی کرتا ہے۔ خط میں لکھنے والا بے تکلف ہوتا ہے اور خطوط میں ہی اس کا جذباتی مدوجزر بھی پوری طرح ظاہر ہو جاتا ہے۔ اصنافِ ادب میں سب سے اہم اور معلوم شخصیت خود لکھنے والے کی ہوتی ہے۔ اسے یہ علم نہیں ہوتا کہ اس کے مخاطب کون ہیں؟ نہ زمان و مکاں سے ان کا رشتہ ثابت شدہ ہوتا ہے نہ لکھنے والے کو ان کی سطحِ فہم و ادراک کا علم ہوتا ہے، ایک نظم یا ادبی مضمون پڑھنے والے آج بھی ہو سکتے ہیں، اور ہزار سال بعد بھی۔ اسی طرح قارئین کے ساتھ ان کا ماحول بھی تغیر پذیر ہوتا رہتا ہے۔ مگر خطوط کا معاملہ بالکل مختلف ہے۔ اس میں کاتب اور مکتوب الیہ دونوں معلوم ہیں، ان کا رشتہ بھی زمان و مکاں کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ وہ ایک مخصوص ماحول میں زندہ ہوتے ہیں اور ان کی گفتگو بھی معلوم حقائق سے متعلق ہوتی ہے۔ کاتب اور مکتوب الیہ کی سطحِ ادراک ایک بھی ہو سکتی ہے، مختلف بھی۔ اس کے موضوعات قطعاً نجی اور ذاتی بھی ہو سکتے ہیں، قومی اور عالمگیر بھی۔ ان خطوط کا محرک عداوت بھی ہو سکتی ہے عقیدت و محبت بھی۔ کاتب اور مکتوب الیہا کا رشتہ رسمی اور کاروباری بھی ہو سکتا ہے اور اس کی جڑیں لکھنے والے کی ذات میں بہت گہری بھی ہو سکتی ہیں۔ خطوط کی ظاہری شکل و ہیت میں خواہ کوئی بھی فارمولا تسلیم کر لیا جائے لیکن ان کے مواد اور مشمولات کی نوعیت کاتب اور مکتوب الیہ کے رشتے کے ساتھ بدلتی رہتی ہے۔ خطوط نویسی نامہ نگاری کا آغاز اس زمانے سے ہوا ہو گا جب انسان نے رسم الخط ایجاد کیا اور لکھنا سیکھا ہو گا۔ چنانچہ تقریباً تین ہزار سال قبل کی تین سومٹی کی لوحیں ایسی نکلی ہیں جن پر مصر کے فراعنہ کے نام خطوط کندہ ہیں۔

عربی میں خط لکھنا ایک پیشہ تھا اور اس پیشہ کے اختیار کرنے والے کو کاتب کہتے تھے۔ اسلام کا ظہور ہوا تو اس فن نے

اور ترقی کی۔خود آنحضرتﷺ کے کم از کم چار خطوط اپنی اصلی حالت میں موجود ہیں ہ۔ فارسی ادبیات میں بھی فنِ انشا کو اہم مقام حاصل رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مامون الرشید ۱۷۰ھ۔۷۸۶ء/۱۹۳ھ۔۸۰۹ء) کے زمانے سے ہی فارسی زبان کو اچھی خاصی اہمیت حاصل ہوگئی تھی۔ عجمیوں نے جہاں جہاں اپنی حکومتیں قائم کیں وہاں فطری طور پر خط وکتابت فارسی میں ہونے لگی۔ یہیں سے فارسی انشاء کی تاریخ شروع ہوتی ہے جب ہلاکو خاں نے دولتِ عباسیہ کا خاتمہ کر دیا تو عربی زبان کا وقار بھی ختم ہو گیا اور فارسی انشاء کو فروغ پانے کا موقع مل گیا۔ عہدِ وسطی میں تعلیم کا نصاب بھی اسی طرح بنایا گیا تھا کہ بچوں کو پہلے ذخیرہ الفاظ سے روشناس کرایا جاتا تھا پھر انہیں خطوط نویسی کی تعلیم دی جاتی تھی۔ فارسی میں بھی خطوط نویسی کو رسمی اور کاروباری مقاصد کے علاوہ مذہبی اور اخلاقی تعلیمی مقاصد کے لیے بھی استعمال کیا گیا ہوگا۔ اردو کے شعراء متقدمین میں سے کسی ایک کا بھی کوئی خط نہیں ملتا۔ انھوں نے لکھے بھی کم ہوں گے اور ان کے محفوظ رکھنے کا کوئی اہتمام بھی نہیں کیا گیا۔ اگر کسی نے حفاظت کی بھی ہوگی تو شمالی ہند میں اتنے انقلابات پے در پے آئے ہیں م کہ بڑی بڑی سلطنتوں کی بساط الٹ گئی ہے یہ کاغذ کے پرزے ان آندھیوں میں کیا ٹھہر سکتے تھے۔

سر برآوردہ وممتاز اردو شعراء میں سب سے پہلے مرزا اسداللہ خاں غالب نے اردو میں باقاعدہ خطوط نویسی کی طرح ڈالی۔ اگر چہ وہ بھی فارسی نگارش کے دلدادہ تھے مگر ۱۸۵۷ء کی شورش کے بعد جو عام بے دلی اور افسردگی چھا گئی تھی، اس نے وہ فراغت چھین لی تھی جو فارسی نثر میں ک اظہارِ کمال کا ولولہ پیدا کرتی تھی، اس لیے انھوں نے سیدھے سادے لفظوں میں اظہارِ مطالب کر کے بقول خود ''مراسلے کو مکالمہ بنا دیا''۔ غالب کے بعد اقبال اردو کے دوسرے عظیم اور اہم شاعر ہیں جن کی مقبولیت ہمہ گیر ہے اور ان کے بارے میں بھی ذرا ذرا سی تفصیل کو محفوظ رکھا گیا ہے۔ اقبال کا حلقہ تعارف اور دائرہ احباب بہت وسیع تھا۔ اس میں والیانِ ریاست سے لے کر ان کے خادم علی بخش تک سیکڑوں مکتوب الیہ کے نام آتے ہیں۔ ان کے لکھے ہوئے بہت سے خطوط دریافت بھی ہو چکے ہیں لیکن انھوں نے اپنی چالیس سال سے زائد مدت پر پھیلی ہوئی ادبی زندگی میں بہت زیادہ خطوط لکھے ہیں جن میں سے بہت سے ضائع ہو گئے، کچھ اب بھی کسی گوشہ گمنامی میں پڑے ہوں گے اور اکا دکا خطوط ہر سال منظرِ عام پر آ کر اس ذخیرہ میں اضافہ کرتے رہتے ہیں۔

اقبال کے دس پندرہ خطوط سب سے پہلے خواجہ حسن نظامی نے اپنی کتاب ''اتالیق خطوط نویسی'' میں شائع کیے تھے۔ یہ کتاب غالباً ۱۹۱۶ء تا ۱۹۱۷ء میں چھپی تھی۔ اس کا چوتھا ایڈیشن نومبر ۱۹۲۹ء میں ''محبوب المطابع دہلی سے شائع ہوا تھا۔ اس میں اقبال کے خطوط موسومہ خواجہ حسن نظامی بھی شامل تھے۔ بیسویں صدی کی عظیم مفکر اور ایک مقبول خاص وعام شاعر کی حیثیت سے اقبال اس مقام تک پہنچ گئے تھے کہ یہ ممکن نہیں تھا کہ ان کے خطوط شائع نہ کیے جائیں۔ چنانچہ اقبال کی وفات کے بعد ان کے خطوط پر مشتمل متعدد چھوٹے بڑے مجموعے شائع ہوئے۔

خطوط مرتب کرنے کا کام بلاشبہ کسی عظیم کارنامے سے کم نہیں۔ جو مرتب یہ کام کرے اس کے لیے لازم ہے کہ مختلف زبانوں کے خطوط کی مختصر تعریف اس کے سامنے رہے۔ اس طرح مرتب اپنے کام کو مزید خوبصورت بنا سکتا ہے۔ برنی صاحب بھی اس خوبی سے واقف تھے اور انہوں نے اقبال کے خطوط کا خزانہ مرتب کیا۔ اس طرح اقبال کے تمام خطوط کا خزانہ چار جلدوں میں مرتب ہو کر منظرِ عام پر آیا تھا۔ برنی صاحب نے خطوط کو مرتب کرنے میں اپنے تمام علم اور فن کو بروئے کار لا کر اقبالیات کی بھرپور خدمت کی ہے۔

آپ نے اپنی مرتب کردہ کلیاتِ مکاتیب اقبال کی پہلی جلد میں انیس ایسے مجموعہ جات کا ذکر کا ہے کہ جو اقبال کے خطوط سے مزین ہیں۔ آپ نے ہر مجموعہ کا نام، سالِ اشاعت اور مرتب کرنے والے کا نام بھی درج کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے:

''ان مجموعوں کے علاوہ خاصی قابلِ لحاظ تعداد ان خطوط کی ہے جو متفرق کتابوں میں ی بکھرے ہوئے ہیں یا وقتاً فوقتاً دریافت ہو کر مجلّات و رسائل کی زینت بنتے رہتے ہیں۔''(۲۰)

آپ نے اقبال کے دستیاب خطوط کو مرتب کرنے کا منصوبہ اس طرح بنایا تھا کہ انہیں پانچ جلدوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ تصانیف کو نشانِ راہ بنایا گیا ہے، یعنی ''رموزِ بےخودی''، ''بانگِ درا''، ''بالِ جبریل'' اور پھر آخری زمانہ۔ اس طرح اقبال کے ذہنی سفر کو سمجھنے میں بھی آسانی ہوگئی۔ آپ نے پہلی جلد میں ۱۸۹۹ء سے ۱۹۱۸ء تک کے خطوط شامل کیے ہیں۔ ۱۹۱۸ء اقبال کی تصنیف ''رموزِ بےخودی'' کا سالِ اشاعت ہے۔ جلد دوم میں س ۱۹۱۹ء سے ۱۹۲۸ء تک کے خطوط شامل ہیں۔ اس سال اقبال کے چھ خطبات ''فکرِ اسلامی کی تشکیل جدید'' لکھے گئے تیسری جلد میں ے ۱۹۲۹ء سے ۱۹۳۴ء تک کے خطوط شامل ہیں۔ جنوری ۱۹۳۵ء میں ''بالِ جبریل'' کی اشاعت ہوئی۔ چوتھی جلد میں ۱۹۳۵ء سے ۱۹۳۸ء تک کے خطوط شامل ہیں۔ ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء اقبال کی تاریخ وفات ہے۔

مظفر حسین برنی نے چاروں جلدوں میں پ شامل خطوط کی مکمل فہرست دی ہے جو بہ حسبِ تاریخ مرتب کی گئی ہے اور ابجدی ترتیب سے مکتوب الیہ کی مکمل فہرست بھی پشر کی ہے۔ چاروں جلدوں میں س اشخاص، مقامات، ادارے اور کتب ورسائل کا مکمل اشاریہ بھی دیا گیا ہے۔ آپ نے پانچویں جلد مرتب کرنے کی خواہش کا اظہار بھی کیا تھا جس میں اقبال کے انگریزی خطوط مرتب کیے جانے تھے۔ انگریزی کے تمام خطوط کا اردو ترجمہ جلد اول تا چہارم میں بااعتبار تاریخ اپنے اپنے مقام پر موجود ہے۔ انگریزی خطوط کو بھی ایک جا تاریخی اعتبار سے منظرِ عام پر لانا چاہتے تھے مگر آپ کی مرتب کردہ ایسی کوئی تصنیف تاحال منظرِ عام پر نہیں آئی۔

مظفر حسین برنی نے اپنی چاروں جلدوں میں درج کردہ خطوط کی تاریخوں کے درست ہونے کا بھی انتظام کیا ہے۔ سابقہ چند مجموعوں میں خطوط کی چند تاریں ادرست نہ تھیں۔ آپ نے ان کا زمانہ اندرونی اور بیرونی شہادتوں کی روشنی میں مرتب کرنے کی کوشش کی ہے۔ چند خطوط ایسے بھی ہیں کہ جن کی تاریخوں کے تعین کی کوئی داخلی یا خارجی صداقت میسر نہ آئی۔ اس لیے اُن بلا تاریخ خطوط کو جلد چہارم کے آخر میں بلا تاریخ درج کر دیا گیا ہے۔ خطوط کی تاریخوں میں مختلف مجموعوں میں جو غلطی تھی اسے بھی ان صفحات میں پیش کر دیا گیا ہے تاکہ نمونے کے طور پر بطور مرتب آپ کی کاوشوں کا جائزہ لیا جا سکے۔ آپ کی اس کوشش سے ''اقبال نامہ'' یک جلدی کے نئے ایڈیشن میں ک کچھ اصلاح کا پیغام بھی ملا مگر ایسا نہ ہو سکا۔ محققین نے اپنی رائے میں اقبال نامہ کے ساتھ کلیاتِ مکاتیبِ اقبال کے مرتب کو بھی گھسیٹ لیا۔ ڈاکٹر تحسین فراقی کی توضیح دیکھیے:

''ابھی حال ہی میں اردو اکادمی دہلی نے کلیاتِ مکاتیبِ اقبال جلد دوم کے نام سے شائع کیا ہے اور اس کے مرتب سید مظفر حسین برنی ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ یہ مجموعہ جہاں ایک طرف مرتب کی محنت اور کاوش کا ثبوت مہیا کرتا ہے وہاں بعض جگہ اس کی سہل نگاری کا بھی کُھلا اعلان کرتا ہے۔ ستم یہ ہے کہ متعدد مقامات پر اصل خطوط کے عکس شامل ہیں مگر نقلِ حرفی اصل متن سے مطابقت نہیں رکھتی اور بعض فاش غلطیاں جو اقبال نامہ۔ شیخ عطا اللہ۔ میں

موجود تھیں، من وعن یہاں بھی دہرائی گئی ہیں۔'' (۲۱)

ڈاکٹر تحسین فراقی نے کلیاتِ مکاتیبِ اقبال جلد اول اور جلد دوم کی کچھ غلطیوں کی نشان دہی بھی کی ہے۔ اقبال نامہ مجموعہ مکاتیبِ اقبال پر نظرِ ثانی، تصحیح اور ترمیم کے لیے اقبال اکادمی پاکستان نے کام شروع کیا اور اکادمی نے اعلان کیا:

''اقبال نامہ کی اس یک جلدی اشاعت کے لیے جناب ڈاکٹر تحسین فراقی کی تحقیق و متن کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ ادارہ شکر گزار ہے کہ تلاشِ متن، موازنہ اور تقابلِ متن اور تصحیح عبارت کے لیے ہمیں ان کا تعاون حاصل رہا اور ان کی تحقیقات سے استفادہ ممکن ہوا۔'' (۲۲)

اقبال نامہ تصحیح و ترمیم شدہ یک جلدی منظرِ عام پر آئی تو بھی چند چیزیں ایسی ہیں جو پہلے کی طرح شائع ہوئی ہیں۔ حالانکہ تحسین فراقی صاحب کی جاری کردہ فہرست میں وہ اغلاط شامل تھیں مگر ان کی اصلاح صحیح طور پر نہ ہوسکی اور اس سب کے باوجود یہ برنی صاحب کی کاوشیں، دیگر مرتبین، محققین، مولفین ور ماہرین کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوں گی۔

اپنی چاروں جلدوں کے حواشی میں بڑی تعداد خود برنی صاحب کی اپنی لکھی ہوئی ہے اس حوالہ سے جن کتب یا مقامات کے نام اقبال کے خطوط میں آئے ہیں ان کی بھی وضاحت کی گئی ہے۔ کتب کے علاوہ شخصیات سے بھی مدد ملی ہے جن کے لیے برنی نے لکھا ہے کہ ''بطورِ خاص دلی اور پر خلوص شکریے کے مستحق ہیں''۔ اقبال کے خطوط مرتب کرنے کے لیے برنی صاحب نے بہت سے اداروں سے بھی رابطہ کیا تاکہ کسی طرح اصل خطوط کے عکس ہی سامنے آسکیں۔ ان نقول کا حاصل کرنا برنی صاحب کے لیے ہفت خواں طے کرنا تھا جس میں انھیں کامیابی بھی حاصل ہوئی۔ برنی صاحب نے اپنی کاوشوں سے عباس علی خاں لمعہ کے نام خطوط کا جائزہ لیا تو ان میں ان کچھ شک پایا۔ آپ نے اپنی تحقیق میں انہیں جگہ دی ہے مگر ''اقبال نامہ'' یک جلدی میں یہ خطوط حذف کر دیے گئے ہیں۔ اس طرح تحقیق کے ذریعے خطوطِ اقبال کی تدوین و ترتیب نے ایک نیا موڑ لائی ہے۔ برنی صاحب کا دعویٰ ہے:

''ابھی تک اقبال سے منسوب کوئی تحریر سراسر جعلی ثابت نہیں ی ہوسکی ہے۔'' (۲۳)

اقبالیات کی دنیاو میں ''کلیاتِ مکاتیب اقبال'' تحقیق و تدوین کے لیے ایک عمدہ ماخذ ثابت ہوگی۔ اور یہ تحقیق اقبال کی سوانح عمری میں معاون ثابت ہوگی۔ خطوط کی تلاش، ان کی ترتب و تصحیح اور ان پر حواشی لکھنے کا کام مشکلات سے پُر ہے اور ایسے کام کو انجام تک پہنچانا توفیق الٰہی کے بغیر نہ صرف مشکل ہے بلکہ ناممکن بھی ہے۔ جلد دوم کے سرورق پر محمد ظہیر الدین کا لکھا ہوا تبصرہ بھی موجود ہے جو اخبار ''سیاست'' میں ۱۲/اپریل ۱۹۹۰ء کو شائع ہوا تھا۔ انھوں نے لکھا تھا:

''یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ فاضل مرتب نے اقبال کے تمام اردو انگریزی مکاتیب تاریخی ترتیب، ضروری تعلیقات اور حواشی کے ساتھ کلیات کی شکل میں مرتب کرنے کے دشوار لیکن اہم کام کا بیڑا اٹھایا ہے۔'' (۲۴)

ڈاکٹر صابر کلوروی مرحوم نے ۱۸ اگست ۱۹۹۱ء کو برنی صاحب کے بارے میں اس رائے کا اظہار فرمایا تھا کہ:

''میرے علم کی حد تک ہندوستان میں ''متنِ اقبال'' کے حوالے سے دو ہی کام ہوئے ہیں ر۔ گیان چند کی کتاب ''ابتدائی کلامِ اقبال'' اور ''کلیات مکاتیب قبال''۔ آپ کا کام گیان چند کے کام سے بدر جہا بہتر اور معیاری ہے۔'' (۲۵)

ڈاکٹر خلیق انجم کا تبصرہ یکم جنوری ۱۹۹۰ءکو نئی دہلی سے شائع ہونے والے ''ہماری زبان'' میں کچھ ان الفاظ میں شائع ہوا:

''برنی صاحب نے یہ خطوط انتہائی سائنٹفک انداز میں مرتب کیت ہیں۔ متنی تنقید کے تمام جدید اصول وضوابط کو پیشِ نظر رکھا ہے۔ کوشش کی ہے کہ متن درست ترین ہو۔ یہ کہنا بجا ہوگا کہ ''کلیاتِ مکاتبِ اقبال'' علامہ کے خطوط کے تمام مجموعوں سے زیادہ بہتر اور سائنٹفک ہے۔''(۲۶)

بھوپال سے ڈاکٹر اخلاق اثر نے ''کلیات مکاتیب اقبال'' کے حوالہ سے لکھا:

''اقبالیات پر گذشتہ برسوں میں جو اہم کتابیں شائع ہوئی ہیں ان میں علامہ اقبال کی سوانح حیات ''زندہ رود'' تین جلدوں میں اور ''اشاریہ مکاتیبِ اقبال'' مرتبہ صابر کلوروی شامل ہیں۔ تیسری اہم کتاب ''کلیاتِ مکاتبِ اقبال'' جلد اول ہے۔ جسے جناب سید مظفر حسین برنی نے مرتب کیا ہے۔ برنی صاحب کا مقدمہ بصیرت افروز اور عالمانہ ہے۔ حواشی اور اشاریہ نے کتاب کی افادیت میں قیمتی اضافہ کیا ہے۔''(۲۷)

عبدالقوی دسنوی نے اس ضمن میں تحریر کیا تھا:

''برنی صاحب نے اقبال سے گہری وابستگی کا ثبوت ہی پیش نہیں کیا بلکہ اقبالیات کے میدادن میں ہندوستان کا سر بلند کیا ہے۔''(۲۸)

برنی صاحب کی کاوشیں اپنی جگہ قابلِ تحسین ہیں مگر ہندوستان کے معتبر اور معزز اقبال شناس اس کام سے ناخوش بھی دکھائی دیے۔ ڈاکٹر عباس علی خاں لمعہ حیدر آبادی کے نام اقبال کے خطوط کئی جگہ مباحث کا موضوع رہے ہیں۔ کچھ محققین نے انہیں اقبالیات کے خزانے سے خارج کرنے پر زور دیا اور کچھ نے اپنی اشاعتوں میں انہیں شامل رکھا۔ کئی تحریریں لمعہ کی جعل سازی کے حوالے سے سامنے آئی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ شیخ عطااللہ، مرتب اقبال نامہ بھی اس کے معترف تھے مگر سچ تو یہ تھا کہ اس بات کی تصدیق کہیں بھی نہ ہوئی۔ لمعہ کی جعل سازی کی تصدیق کا کوئی تحریری ثبوت نہ ہونے کی وجہ سے صہبا لکھنوی نے اپنی تصنیف ''اقبال اور بھوپال'' میں بھی اس لمعہ کی باتیں شامل رکھی ہیں اور پھر ڈاکٹر اکبر رحمانی نے تو بات بہت ہی بڑھا چڑھا کر بیان کر دی۔ ان کے نزدیک لمعہ کوئی فرضی شخصیت نہیں اور نہ ہی وہ لمعہ کے نام اقبال کے خطوط کو جعلی ماننے کو تیار تھے۔ انہوں نے محققین اور ناقدین کے بیانات کو گمراہ کن قرار دیا اور اس بات پر شدید رنجیدہ دکھائی دیے کہ لمعہ کو اقبالیات میں وہ مقام نہ مل سکا جس کے وہ حق دار تھے۔ اقبال، ٹیگور اور ڈاکٹر لمعہ حیدر آبادی۔ اقبال سے لمعہ حیدر آبادی کے مراسم۔ لمعہ حیدر آبادی کے نام اقبال کے خطوط، ایک جائزہ اور پھر اقبال اور لمعہ حیدر آبادی کے شخصی تعلقات کا جائزہ جیسے موضوعات زیرِ بحث لا کر لمعہ کا بھرپور دفاع کیا۔ اکبر رحمانی لمعہ کی تعریف کچھ اس طرح کرتے تھے:

''ڈاکٹر عباس علی خان لمعہ حیدر آبادی کا ہم پر بہت بڑا احسان ہے کہ اانہوں نے نہ صرف اِن دو شاعروں کو ملانے کی سعی کی بلکہ ان کے متعلق پھیلی ہوئی بہت سی غلط فہمیوں کو دور کرنے میں مدد دی۔ مگر کس قدر افسوس اور حیرت کی بات ہے کہ جس شخص کے طفیل اقبال اور ٹیگور کے درمیان ناگوار موازنہ کا خاتمہ ہوا، وہ اردو والوں کے لیے نہایت غیر معروف رہا، بلکہ

اکثر نے لمعہ کی اس مخلصانہ خدمت پر تعجب واشتباہ کا اظہار کیا ہے۔ سچائی یہ ہے کہ ڈاکٹر لمعہ اقبال اور ٹیگور دونوں کے عقیدت مند تھے اور دونوں سے ان کے مخلصانہ اور دوستانہ مراسم تھے۔ اقبال اور ٹیگور دونوں نے لمعہ کو بے شمار خطوط سے نوازا ہے۔ ٹیگور کے خطوط شائع نہیں ہوئے لیکن علامہ اقبال نے لمعہ کو جو خطوط لکھے تھے ان میں اکثر شیخ عطا اللہ نے اقبال نامہ حصہ اول میں شائع کر دیے ہیں۔ ان خطوط کے مطالعے سے ڈاکٹر لمعہ کی بیشتر صلاحیتوں کا علم ہوتا ہے۔'' (۲۹)

اکبر رحمانی نے لمعہ کی تعریف میں جو طومار باندھا ہے وہ بھی محققین کے ذہنوں کو ٹھوس ثبوت فراہم نہ کر سکا۔ اقبال نامہ کے مرتب شیخ عطا اللہ کے فرزند مختار مسعود نے بھی بہت سے شکوک وشبہات کا اظہار کیا ہے اور اقبال نامہ۔ تصحیح وترمیم شدہ یک جلدی میں لمعہ کے نام اقبال کے خطوط کو مزید تحقیق وتصدیق کا مستحق قرار دیا ہے۔ ہندوستان کے معروف اقبال شناس پروفیسر ڈاکٹر عبدالحق نے اکبر رحمانی کی تصنیف پر رائے کا اظہار کرتے ہوئے لمعہ کے نام اقبال کے خطوط کو عقدہ کچھ اس طرح وا کیا ہے:

''ڈاکٹر اکبر رحمانی بھی زد میں آئے جنہوں نے انھیں خطوط کی بنیاد پر پونہ یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی سند بھی حاصل کی تھی اور ڈاکٹر لمعہ کی حمایت میں اتنے من گھڑت جھوٹ جمع کیے کہ ادبی تاریخ میں کذب کی ایسی کریہہ صورت نہ ملے گی۔ ان کی کتاب تحقیقات وتاثرات دروغ گوئی کا سب سے مذموم اور سفلانہ مظاہرہ ہے۔'' (۳۰)

برنی صاحب نے اِن تصانیف کی مدد سے کلیاتِ مکاتیبِ اقبال کا تحقیقی کام مکمل ضرور کیا مگر تصدیق کے معاملے میں موثر ماخذ بروئے کار نہ لا سکے۔ یہی وجہ ہے کہ محققین و مدبرین نے آپ کے کام پر اعتراضات کرنا شروع کر دیے۔ ان کی اقبال شناسی کی شہرت کو مشتہری کا کارنامہ قرار دیا۔ کلیاتِ مکاتیبِ اقبال کو کہا کہ یہ برنی صاحب کا کام ہی نہیں ہے بلکہ کہا کہ یہ کام افسرانہ سہولتوں کے طفیل انجام پا سکا۔ جن معاونین نے یہ کام کیا انہوں نے بھی بس ٹالو کام ہی کیا۔ آپ کے کام کو تحقیق وتدوین کی اعلیٰ کاوشوں سے عاری قرار دیا۔ لمعہ کے خطوط کے حوالے سے پروفیسر عبدالحق لکھتے ہیں:

''حیرت کی بات ہے کہ ان ٹھوس شہادتوں کے باوجود جناب مظفر حسین برنی نے کلیاتِ مکاتیبِ اقبال کی ترتیب میں ان خطوط کو شاملِ متن رکھا اور تحقیق کا مذاق اڑایا۔'' (۳۱)

اس طرح کلیاتِ مکاتیبِ اقبال کی خامیاں منظرِ عام پر آتی ہیں۔ اس سب کے باوجود آپ کا کام اقبالیات میں گراں قدر اضافے کا باعث ہے۔ اقبال کے خطوط سے شغف رکھنے والوں کو اتنا مواد یک جا میسر آ جانا کسی نعمت سے کم نہیں۔ یوں اس مطالعے سے مظفر حسین برنی کا مقام بطور مدون، بطور مرتب، بطور محقق اور بطور اقبال شناس واضح ہوتا ہے۔ انھوں نے نہایت ایمانداری اور محنت سے فکرِ اقبال کو پروان چڑھانے کا اخلاقی فریضہ انجام دیا ہے۔ آپ کے خلوص اور اقبالیات سے محبت کے جذبے نے آپ کو اس قابل بنایا کہ راہ کی ہر دشواری کو اپنے سینے سے لگا کر آنے والے دور میں اقبالیات سے پیار کرنے والے افراد کے لیے ایک خزانہ بہم پہنچانے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ اس کاوش سے آپ کا مقام بطور مرتب بھی بامِ عروج تک جا پہنچا ہے۔ جب تک اقبالیات میں تحقیق کا دور رہے گا اس وقت تک آپ کی کاوشات لوگوں کے لیے مشعلِ راہ بنتی رہیں گی اور محققین آپ کی کاوشوں سے استفادہ کرتے ہوئے اقبالیات کی نئی راہیں تلاش کریں گے۔ یوں اقبالیات کا دامن

بھی کشادہ ہوگا اور نئے محققین بھی سامنے آئیں گے۔

حوالہ جات

۱۔ اقبال،کلیاتِ مکاتیبِ اقبال،جلداول،مرتبہ:سیدمظفرحسین برنی،نئی دہلی:اصیلا آفسیٹ پریس،شاعت پنجم،۱۹۹۹ء،ص:۳۷

۲۔ عبدالحق،پروفیسر،اقبال اور اقبالیات،سرینگر: میزان پبلشرز،باردوم،۲۰۰۹ء،ص:۱۱۶

۳۔ اقبال،کلیاتِ مکاتیبِ اقبال،جلداول،مرتبہ،سیدمظفرحسین برنی،ص:۳۸

۴۔ ایضاً،ص:۳۷

۵۔ ایضاً،ص:۳۰۱

۶۔ ایضاً،ص:۳۵۲

۷۔ اقبال،کلیاتِ مکاتیبِ اقبال،جلددوم،مرتبہ:سیدمظفرحسین برنی،نئی دہلی:ثمر آفسیٹ،اشاعت دوم،۱۹۹۳ء،ص:۵۷

۸۔ ایضاً،ص:۶۰۰

۹۔ ایضاً،ص:۶۸۴

۱۰۔ اقبال،کلیاتِ مکاتیبِ اقبال،جلدسوم،مرتبہ:سیدمظفرحسین برنی،نئی دہلی: سیما آفسٹ پریس،۱۹۹۳ء،ص:۱۴۴

۱۱۔ اقبال،کلیاتِ مکاتیبِ اقبال،جلداول،مرتبہ:سیدمظفرحسین برنی،ص:۲۴۸

۱۲۔ رفیع الدین ہاشمی،ڈاکٹر،تصانیفِ اقبال کاتحقیقی وتوضیحی مطالعہ،لاہور:اقبال اکادمی پاکستان،طبع دوم،۲۰۰۱ء،ص:د

۱۳۔ اقبال،کلیاتِ مکاتیبِ اقبال،جلداول،مرتبہ:سیدمظفرحسین برنی،ص:۲۴۵

۱۴۔ ایضاً،ص:۳۰۱

۱۵۔ اقبال،کلیاتِ مکاتیبِ اقبال،جلددوم،مرتبہ:سیدمظفرحسین برنی،ص:۴۶۱

۱۶۔ اقبال،اقبال نامہ تصحیح وترمیم شدہ یک جلدی،مرتبہ:شیخ عطاءاللہ،لاہور:اقبال اکادمی پاکستان،۲۰۰۵ء،ص:۱۴۰

۱۷۔ اقبال،کلیاتِ مکاتیبِ اقبال،جلددوم،مرتبہ:سیدمظفرحسین برنی،ص:۴۷۹

۱۸۔ ایضاً،ص:۴۸۷

۱۹۔ ایضاً،ص:۶۵۷

۲۰۔ اقبال،کلیاتِ مکاتیبِ اقبال،جلداول،مرتبہ:سیدمظفرحسین برنی،ص:۳۷

۲۱۔ تحسین فراقی،ڈاکٹر،جہاتِ اقبال،لاہور:بزمِ اقبال،نومبر۱۹۹۳ء،ص:۹۲

۲۲۔ اقبال،اقبال نامہ تصحیح وترمیم شدہ یک جلدی،مرتبہ:شیخ عطاءاللہ،ص:اندرونی

۲۳۔ اقبال،کلیاتِ مکاتیبِ اقبال،جلداول،مرتبہ:سیدمظفرحسین برنی،ص:۵۱

۲۴۔ اقبال،کلیاتِ مکاتیبِ اقبال،جلددوم،مرتبہ:سیدمظفرحسین برنی،ص:اندرون سرِ ورق

۲۵۔ ایضاً

۲۶۔ ایضاً،ص:اندرون پشت سرِ ورق

۲۷۔ ایضاً

۲۸۔ ایضاً

۲۹۔ اکبر رحمانی، ڈاکٹر، تحقیقات و تاثرات، مالیگاوں: عوامی پریس، جولائی ۱۹۸۷ء، ص: ۳۵

۳۰۔ عبدالحق، پروفیسر، اقبال اور اقبالیات، ص: ۱۱۵

۳۱۔ ایضاً، ص: ۱۱۵

☆......☆......☆